مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد دریا کا ہمارے جو اُتر نا دیکھے!

الغرض آج کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ ضرورت ہے کہ اب پھر اُمّتِ محمّد علی صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام اپنے فرضِ منصبی کو پہچانے اور اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ایک عزمِ نو کے ساتھ کمر بستہ ہو جائے تاکہ بعثتِ محمّدی کا مقصد تمام و کمال پورا ہو اور پورے کرّہ ارضی پر دینِ محمّدؐ کا پرچم لہرا اُٹھے ؎

کی محمّدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا تَجْعَلْنَا مَعَھُمْ

آمین یاربّ العٰلمین!

انقلابِ نبوی ﷺ کا اساسی منہاج

جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ:

اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ اگر دنیا کے عام داعیانِ انقلاب پر قیاس کرتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''داعیِ انقلاب'' کے الفاظ سے یاد کیا جائے تو یہ یقیناً آپؐ کی تحقیر و توہین ہوگی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس میں بھی ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ ''داعیِ انقلاب''، کا اطلاق اگر نسلِ آدم کے کسی فرد پر بہ تمام و کمال ہو سکتا ہے تو وہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لیے کہ تاریخ انسانی کے دَوران اور جتنے بھی انقلاب آئے وہ بشمول انقلابِ فرانس و انقلابِ روس سب کے سب جُزوی تھے اور اُن کے نتیجے میں حیاتِ انسانی کے صرف کسی ایک ہی گوشے میں تبدیلی رُونما ہوئی۔ جیسے انقلابِ فرانس سے نظامِ سیاست و حکومت میں اور انقلابِ روس سے نظامِ معیشت کے تفصیلی ڈھانچے میں جبکہ نبی اکرمؐ نے جو انقلابِ عظیم دنیا میں برپا کیا اس سے پوری انسانی زندگی میں تبدیلی رُونما ہوئی اور عقائد و نظریات، علوم و فنون، قانون و اخلاق، تہذیب و تمدّن، معاشرت و معیشت اور سیاست و حکومت الغرض حیاتِ انسانی کا کوئی ایک گوشہ بھی بدلے بغیر نہ رہا۔

مزید برآں اس اعتبار سے بھی نسلِ انسانی کی پوری تاریخ میں کوئی دوسری مثال موجود نہیں ہے کہ کسی ایک ہی شخص نے انقلابی فکر بھی پیش کیا ہو، پھر دعوت کا آغاز بھی خود ہی کیا

ہو، پھر تنظیمی مراحل بھی خود ہی طے کیے ہوں اور پھر اس انقلابی جدّوجہد کو کشمکش اور تصادم کے جُملہ مراحل سے گذار کر خود ہی کامیابی سے ہمکنار بھی کر دیا ہو۔ کون نہیں جانتا کہ انقلابِ فرانس اُس فکر کے نتیجے میں رُونما ہوا جو والٹیئر اور رُوسو ایسے بیسیوں مصنّفوں کی تالیفات کے ذریعے تخلیق پایا اور پھیلا۔ لیکن انقلاب عملاً کچھ اوباش لوگوں کے ہاتھوں برپا ہوا اور اس کی بالفعل رہنمائی میں ان مفکّرین کا کوئی حصّہ نہیں۔ اسی طرح انقلابِ روس کی اساس اس فکر پر قائم ہوئی جو مارکس نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "داس کیپیٹل" کے ذریعے پیش کیا لیکن خود مارکس کی زندگی میں کسی ایک گاؤں میں بھی انقلاب کے عملاً برپا ہونے کا امکان پیدا نہ ہو سکا۔ اگرچہ بعد میں ایک فعّال شخص لینن نے اس فکر کے ذریعے انقلاب برپا کر دیا ——— اس پس منظر میں دیکھا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک نہایت محیّر العقول کارنامہ اور حد درجہ عظیم معجزہ ہے نبی اکرمؐ کا کہ آپ نے ایک فردِ واحد سے دعوت کا آغاز فرما کر کل ۲۳ برس میں اور وہ بھی شمسی نہیں قمری، انقلابِ اسلامی کی تکمیل فرما دی اور ایک وسیع و عریض خطّے پر دینِ حق کو اپنے سماجی، معاشی اور سیاسی ڈھانچے سمیت بالفعل قائم و نافذ کر دیا۔ فصلّی اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ وسلّم تسلیمًا کثیرًا وفداہُ اٰباءُنا واُمّھاتنا!

ایک فردِ واحد کی مختصر سی زندگی کے بائیس سالوں میں تاریخِ انسانی کے عظیم ترین اور ہمہ گیر ترین انقلاب کے از ابتدا تا انتہا جملہ مراحل طے پا جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ آنحضورؐ کی حیاتِ طیّبہ کے دوران حالات و واقعات کی رفتار (TEMPO) اتنی تیز اور انقلابی عمل کا زور اتنا شدید نظر آتا ہے کہ سیرتِ مُطہّرہ کے مطالعے میں بالعموم نگاہیں صرف تصادم و کشمکش کے مختلف مراحل و مظاہر میں اُلجھ کر رہ جاتی ہیں اور جس طرح کسی زور شور سے بہنے والی پہاڑی ندّی کو دیکھتے ہوئے انسان بالعموم اس کی سطح کے ہیجان و اضطراب ہی سے مبہوت سا ہو کر رہ جاتا ہے اور اُس کی گہرائی کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی اسے نہیں ملتا۔ اسی طرح انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج بھی نگاہوں سے اوجھل رہ گیا ہے۔ چنانچہ اوّل اوّل تو سیرتِ مُطہّرہ سے

متعلّق جو مواد جمع ہوا تھا، وہ تھا ہی سارے کا سارا مغازی پر مشتمل۔ تاحال بھی سیرتِ مبارکہ کے مطالعے میں اصل توجّہ مرتکز رہتی ہے ہجرت سے پہلے کی PASSIVE RESISTANCE پر جس کے اہم نقوش ہیں تمام مسلمانوں پر بالعموم اور غلاموں پر بالخصوص شدید بہیمانہ تشدّد (PERSECUTION) ہجرتِ حبشہ، شعبِ بنی ہاشم، یومِ طائف، فیصلۂ قتلِ نبویؐ، محاصرہ کاشانۂ نبوّت، غارِ ثور اور تعاقبِ سراقہ ابن مالک ——— اور ہجرت کے بعد کے اقدام اور ACTIVE RESISTANCE پر جس کے اہم اور نمایاں نشانات ہیں قریش کی معاشی ناکہ بندی، بدر، اُحد اور احزاب کا مسلّح تصادم جس میں عارضی سا وقفہ ہوا صلح حدیبیہ سے جس کے ختم ہوتے ہی تصادم دوگونہ ہوگیا۔ یعنی اندرونِ عرب بھی جس کے اہم نقوش ہیں فتحِ خیبر، فتحِ مکہّ اور غزوۂ حنین اور بیرونِ عرب بھی جس کے نمایاں نشانات ہیں غزوۂ موتہ اور سفرِ تبوک۔

حضرتِ اکبرؔ الٰہ آبادی کے اس صد درجہ سلیس لیکن نہایت پُرمعنی شعر کے مصداق کہ ؎

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے ۔ نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے!

غور کرنا چاہیے کہ آنحضورؐ کی عظیم انقلابی جِدّوجہد کی تہہ میں کارفرما وہ اصل طریقِ کار اور اساسی منہجِ عمل کیا تھا جس کے ذریعے وہ مردانِ کار فراہم ہوئے جنہوں نے آیۂ قرآنی :

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا	"اہلِ ایمان میں وہ جواں مرد ہیں جنہوں نے
مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ	پورا کر دکھایا وہ عہد جو انہوں نے اللہ سے کیا
مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ	تھا پس ان میں سے وہ بھی ہیں جو اپنی نذر
مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔	پیش کر کے سرخرو ہوچکے اور وہ بھی ہیں جو
(سورۃ الاحزاب: ۲۳)	منتظر ہیں کہ کب باری آئے اور وہ بھی اللہ

کی راہ میں سر کٹا کر سبکدوش ہو جائیں۔ بہرصورت انہوں نے اپنے مؤقف سے سرِمو تبدیلی نہیں کی۔"

کے مصداق انقلابِ نبویؐ کے شجرۂ طیّبہ کو اپنے خون سے سینچا اور اپنی ہڈیوں اور گوشت پوست

کی کھاد سے پروان چڑھایا ہے

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن   خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

قرآن حکیم کی چار اہم اصطلاحات

اس سوال کے جواب کے لیے جب ہم قرآن حکیم کی جانب رجوع کرتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کے مقصدِ بعثت کے انقلابی پہلو کی وضاحت کے لیے اگرتین بار ان الفاظِ مبارکہ کو دہرایا کہ:

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ط (سورۃ التوبہ: ۳۳، سورۃ الفتح: ۲۸۔ اور سورۃ الصّف: ۹)	یعنی وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو 'الہدیٰ' اور 'دینِ حق' کے ساتھ تاکہ غالب کر دے اُس کو پُورے کے پُورے دین پر!

تو انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کی وضاحت کے لیے بھی چار اہم اور بنیادی اصطلاحات کو پُورے چار بار دُہرایا ——— یعنی :

۱۔ تلاوتِ آیات، ۲۔ تزکیۂ نفوس، ۳۔ تعلیمِ کتاب اور ۴۔ تعلیمِ حکمت!

۱۔ چنانچہ سب سے پہلے سورۃ البقرہ کے پندرھویں رکوع کے آخر میں حضرتِ ابراہیمؑ اور حضرتِ اسمٰعیلؑ کی دعا میں یہ الفاظ وارد ہوئے :

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ط وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۞ رَبَّنَا	اے رب ہمارے ہم دونوں کو بھی اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری نسل میں سے بھی ایک ایسی اُمّت برپا کیجو جو تیری فرمانبردار ہو۔ اور ہمیں تعلیم فرما ہماری عبادت کے

وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (سورۃ البقرہ: ۱۲۷، ۱۲۸)

طور طریقے۔ اور قبول فرما ہماری توبہ یقیناً تو توبہ قبول کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور اے رب ہمارے تو مبعوث فرمائیو ان میں ان ہی میں سے ایک رسول جو اُن کو سنائے تیری آیتیں اور انہیں تعلیم دے کتاب اور حکمت کی اور تزکیہ کرے اُن کا۔ بے شک تو ہی ہے سب پر غالب اور کامل حکمت والا۔

۲۔ پھر تین ہی رکوعوں کے بعد اٹھارویں رکوع کے آخر میں یہ واضح کرتے ہوئے کہ آنحضورؐ کی بعثت دراصل اسی دعائے ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ علیٰ نبیّنا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہے، ان ہی اصطلاحاتِ اربعہ کو دہرایا گیا:

كَمَآ أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔ (سورۃ البقرہ: ۱۵۱)

چنانچہ بھیج دیا ہے ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے جو سناتا ہے تمہیں ہماری آیات اور تزکیہ کرتا ہے تمہارا اور تعلیم دیتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت کی اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔

۳۔ اگلی سورت یعنی سورۂ آل عمران میں یہ مضمون مزید شان اور آن بان کے ساتھ وارد ہوتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ۔ (سورۃ آل عمران: ۱۶۴)

اللہ نے احسانِ عظیم فرمایا ہے اہلِ ایمان پر کہ اٹھایا ان میں ایک رسول ان ہی میں کا جو سناتا ہے انہیں اُس کی آیات اور تزکیہ کرتا ہے اُن کا اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب اور حکمت کی۔ اور یقیناً وہ تھے اس سے قبل کھلی گمراہی میں!

۴۔ آخری بار یہ مضمون اٹھائیسویں پارے میں سورۃ الجمعہ میں آتا ہے :

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ	وہی ہے (اللہ) جس نے اٹھایا اُمیوں
رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ	میں ایک رسول ان ہی میں سے جو سناتا
آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ	ہے انہیں اس کی آیات اور تزکیہ کرتا
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا	ہے ان کا اور تعلیم دیتا ہے ان کو کتاب
مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○	اور حکمت کی۔ یقیناً وہ تھے اس سے
(سورۃ الجمعہ : ۲)	قبل کھلی گمراہی میں۔!

اور یہاں اِس کی اہمیت اِس اعتبار سے بہت بڑھ جاتی ہے کہ سورۃ الجمعہ سے متّصلاً قبل ہے سورۃ الصّف جس کی مرکزی آیت وہی ہے جس میں آنحضورؐ کے مقصدِ بعثت کے انقلابی پہلو کو واضح کیا گیا ہے، یعنی :-

"هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ط"

گویا آنحضورؐ کا مقصدِ بعثت ہے : 'اظہارِ دینِ حق علی الدین کُلّہٖ' اور اُس کے لیے آپ کا طریقِ کار اور منہجِ عمل ہے : تلاوتِ آیات، تزکیہ اور تعلیمِ کتاب و حکمت!

مقصد اور طریقِ کار

اس مقام پر ذرا توقف کر کے ایک اہم حقیقت پر غور کر لینا چاہیے اور وہ یہ کہ کسی بھی اہم کام کے لیے مقصد اور طریقِ کار دونوں نہایت اساسی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ مقصد میں آخری منزل پیشِ نظر رہتی ہے اور طریقِ کار میں ہر ہر مرحلے کے لوازم پر توجہ دی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اِن دونوں کا توازن ہی کسی کام کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کا ضامن بن سکتا ہے اور جو شخص یا گروہ بیک وقت ان دونوں کو ملحوظ نہ رکھ سکے وہ اپنی منزل کھوٹی کر بیٹھتا ہے۔ ماضی کی تاریخ بھی ایسی مثالوں سے بھری ہوئی ہے اور خود ہمارے گرد وپیش بھی اس کی زندہ مثالیں موجود ہیں کہ

کبھی یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخصیت یا جماعت اپنے پیشِ نظر مقصود کے حصول کی عجلت میں درمیانی مراحل کو پھلانگ جانا چاہتی ہے اور کسی راہِ قصیر (SHORT CUT) کی دلدل میں پھنس جاتی ہے کہ پھر لاکھ ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود اُس سے چھٹکارا نصیب نہیں ہوتا اور وہ راہِ قصیر اتنی طویل ہو جاتی ہے کہ ختم ہونے ہی میں نہیں آتی۔ گویا وہ کمبل کو چھوڑنا چاہے بھی تو کمبل اُسے نہیں چھوڑتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وقتاً فوقتاً اپنے متوسّلین کی ہمت یہ کہہ کر بندھائی جاتی رہتی ہے کہ: ع

”اس موڑ سے آگے منزل ہے بس دو قدم اور آجا!“

اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے کہ کوئی شخص یا گروہ ذریعے ہی کو مقصد بنا بیٹھتا ہے اور راستے ہی کو منزل قرار دے لیتا ہے۔ نتیجۃً ساری توانائیاں ایک دائرے میں حرکت کرتے رہنے میں صرف ہو جاتی ہیں اور اہلِ قافلہ وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا کے مصداق صرف حرکت اور اُس کی تیز رفتاری ہی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہتے ہیں۔

اب اگر اس حقیقت سے فرار ممکن نہیں کہ ہر کام کے لیے ایک مناسب طریق ہوتا ہے اور ہر مقصد کے لیے ہر طریق کارموزوں نہیں ہوتا تو جو لوگ خلافة علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کے خواہش مند ہوں ان کے لیے لازمی و لابدی ہے کہ وہ غور کریں کہ آنحضورؐ کا اصل منہجِ عمل کیا تھا۔ مبادا وہ بھی متذکرہ بالا افراط و تفریط کا شکار ہو کر رہ جائیں!

اس ضمن میں کتنی پیاری ہے وہ بات جو امام مالکؒ نے فرمائی کہ لَا یَصْلُحُ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا بِمَا صَلُحَ بِہٖ اَوَّلُھَا ” اس اُمّت کے آخری حصّے کی اصلاح نہ ہو سکے گی مگر صرف اُسی طریق پر جس پر پہلے حصّے کی کایا پلٹ ہوئی تھی“ ـــــــ اور کتنی حیرتناک ہے یہ حقیقت کہ دَورِ نبویؐ سے اس قدر قُرب کے باوصف ائمۂ دین کو کتنی فکر تھی اس آخری دَور کی جس میں ہم جی رہے ہیں!

اس ضمن میں ایک اور اہم حقیقت بھی قابلِ توجّہ ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی کا یہ خیال

ہے کہ قرآنِ حکیم انقلاب اسلامی کے لیے کسی منہجِ عمل کی جانب رہنمائی نہیں کرتا تو اسے محسوس کرنا چاہیے کہ یہ قرآن مجید پر بھی ایک سنگین طعن ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی حد درجہ نارواسوءِ ظن اس لیے کہ مسلمانوں پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کی سعی کو مستقلاً فرض اور واجب کر دینا لیکن اس کے لیے کسی واضح طریقِ کار کی نشاندہی نہ کرنا صریح ظلم قرار پائے گا۔ فَسُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ! اصل بات یہ ہے کہ ہم نے نہ تو بفحوائے آیت قرآنی: "وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِہٖ" اللہ تعالیٰ ہی کی عظمت کو پہچانا، نہ بفحوائے آیت مبارکہ: "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا" قرآن حکیم ہی پر غور کیا۔ بلکہ اسے: "نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ کِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ" کے مصداق پس پشت ڈال دیا اور صرف حصول و ایصالِ ثواب کا آلہ بنا کر رکھ دیا ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی تھا

مرکز و محور۔ قرآن حکیم

اب ذرا ان چار اصطلاحات پر توجہ مرکوز فرمایئے جن میں نبی اکرمؐ کے اساسی منہجِ عمل کا بیان ہوا ہے تو سب سے نمایاں حقیقت جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان سب کا مرکز و محور خود قرآن حکیم ہے! اس لیے کہ ان میں سے پہلی اور تیسری یعنی تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب تو بالبداہت قرآن مجید ہی سے متعلق ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری اور چوتھی کا مدار بھی قرآن ہی پر ہے اس لیے کہ بفحوائے الفاظ قرآنی: "قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ"[1] (لوگو! آگئی ہے تمہارے پاس تمہارے ربّ کی جانب سے موعظت و نصیحت بھی اور جملہ امراضِ قلبی کی شفا بھی) تزکیۂ نفوس، تصفیۂ قلوب اور تجلیۂ باطن درحقیقت ثمرہ ہے تلاوتِ آیات کا اور بفحوائے آیت قرآنی: "ذٰلِکَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَةِ"[2] (یہ ہے

---

[1] سورۃ یونس: ۵۷ [2] سورۃ بنی اسرائیل: ۳۹

وہ حکمت جو تیرے ربّ نے تجھ پر وحی فرمائی، حکمت بھی جزوِ لاینفک ہے قرآنِ حکیم کا!

گویا انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہجِ عمل پُورے کا پُورا گھومتا ہے
قرآنِ مجید کے گرد' یا سادہ الفاظ میں یُوں کہہ لیا جائے کہ آنحضورؐ
کا آلۂ انقلاب ہے قرآنِ حکیم!

یہ ہے وہ حقیقت جسے نہایت سادہ اور سلیس الفاظ میں تو بیان کیا مولانا حالیؔ نے کہ:

اُتر کر حِرا سے سوئے قوم آیا ۔۔۔ اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا!

اور حد درجہ پُرشکوہ الفاظ میں بیان فرمایا علّامہ اقبالؔ نے کہ:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن ۔۔۔ نیست ممکن جز بقرآں زیستن
آں کتاب زندہ قرآنِ حکیم ۔۔۔ حکمتِ اُو لایزال است و قدیم
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است ۔۔۔ ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا است اُو ۔۔۔ زندہ و پائندہ و گویاست اُو
چُوں بجاں در رفت جاں دیگر شود ۔۔۔ جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

گویا آنحضورؐ کی تعلیم و تربیّت کا ثمرہ یہ تھا کہ قرآنِ حکیم "چوں بجاں در رفت!" کے مصداق صحابہ کرامؓ کے باطن میں سرایت کر گیا اور اُن کے اذہان و قلوب اس کے نُور سے منوّر ہو گئے نتیجۃً ان کی زندگیوں میں ایک انقلابِ عظیم برپا ہو گیا۔ اُن کی سوچ بدل گئی' اُن کا فکر بدل گیا' اُن کے عقائد بدل گئے' اُن کی اقدار بدل گئیں' اُن کے عزائم بدل گئے' اُن کے مقاصد بدل گئے' اُن کی آرزوئیں بدل گئیں' اُن کی تمنّائیں بدل گئیں' اُن کے دن بدل گئے' اُن کی راتیں بدل گئیں' اُن کی صبحیں بدل گئیں' اُن کی شامیں بدل گئیں' اُن کی زمین بدل گئی' اُن کا آسمان بدل گیا۔ یہاں تک کہ اگر پہلے زندگی عزیز تھی تو اب موت عزیز تر ہو گئی! اور یہ ساری تبدیلی ثمرہ تھی ایک کتاب اور اُس کے علم و حکمت کا اور اس کے معلّم اور اس کی تعلیم و تربیّت کا ۔۔۔ فصلی اللہ علیہ وسلّم! اسی لیے فرمایا آنحضورؐ

نے کہ: "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" (میں تو صرف معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں[1]) واضح رہنا چاہیے کہ آنحضورؐ کا اصل ایجابی اور مثبت عمل صرف اور صرف تلاوتِ آیات و تزکیہ اور تعلیمِ کتاب و حکمت تھا۔ تصادم اور کشمکش کی وہ ساری صورتیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اصلاً مظہر ہیں اُس ردِّ عمل کا جو ایک غلط نظامِ فکر و عمل کی جانب سے دعوتِ حق کے جواب میں پیش آنا لازمی ہے۔ تاہم اصل عمل اور ردِّ عمل کے تدارک کے لیے اختیار کی جانے والی تدابیر کے مابین فرق و امتیاز نہ کرنا بڑی ناسمجھی ہے!

کتابِ الٰہی اور اُس کے معلّم کی ذاتِ اقدس کی عظمت تو ظاہر ہے کہ بیان تو کجا تخیّل و ادراک کی گرفت میں بھی نہیں آسکتی۔ موجودہ دَور میں تو ایک عام انسان کی تصنیف[2] کا یہ اعجاز نگاہوں کے سامنے ہے کہ رُوئے زمین کے ایک بہت بڑے حصّے پر جو نظام قائم ہے وہ سب اُس کے ظہور و بروز کے سوا اور کچھ نہیں۔ غالباً اسی لیے کہا تھا علّامہ اقبال مرحوم نے مارکس کے بارے میں کہ ع : "نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب"!

تلاوتِ آیات

اِس اجمال کی تفصیل قرآنِ حکیم کے طول و عرض میں تانے بانے کے مانند بُنی ہوئی ہے۔ چنانچہ کارِ نبوّت و رسالت کی تکمیل اور فرائضِ دعوت و تبلیغ کے جتنے پہلو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں اُن سب کا مبنیٰ و مدار اور مرکز و محور خود قرآن ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ اِس ضمن میں طوالت کے خوف کے باوجود چند اشارات ضروری ہیں:-

۱۔ قرآنِ حکیم کی رُو سے انبیاء و رُسل کے فرائض میں سب سے زیادہ اساسی فریضہ اِنذار و تبشیر کا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں بہت سے انبیاء و رُسل کا ذکر کر کے فرمایا گیا:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (یہ حضرات) رسول بنا کر بھیجے گئے بشارت دینے

---

[1] سنن ابن ماجہؒ [2] داس کیپٹیل

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ	والے اور خبردار کرنے والے ، تاکہ ان (کی
حُجَّةٌ م بَعْدَ الرُّسُلِ ط	بعثت) کے بعد لوگوں کے پاس خدا کے
(سورۃ النساء : ۱۶۵)	سامنے کوئی دلیل (عذر) نہ رہ سکے!

سورۃ الکہف میں بطورِ کلیہ ارشاد فرمایا:

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا	اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر صرف مُبشّر
مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (آیت: ۵۶)	اور نذیر بنا کر!

اور سورۂ بنی اسرائیل میں تعین کے ساتھ آنحضورؐ کو خطاب کرکے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ	اور نہیں بھیجا (اے نبیؐ) ہم نے آپ
نَذِيْرًا ۔ (آیت : ۱۰۵)	کو مگر صرف مُبشّر اور نذیر بنا کر!

اب دیکھئے کہ از روئے قرآن اس انذار و تبشیر کا مبنیٰ و مدار خود قرآنِ حکیم ہی ہے:۔

سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ	بے شک یہ قرآن اُس راستے کی راہنمائی
هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ	کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ان ایمان
الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ	والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں، اس
لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ہ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ	بات کی بشارت دیتا ہے کہ اُن کے لیے
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ	بہت بڑا اجر ہے اور جو لوگ آخرت پر ایمان
عَذَابًا اَلِيْمًا ہ	نہیں رکھتے ہم نے اُن کے لیے ایک دردناک
(سورۂ بنی اسرائیل : ۹ - ۱۰)	عذاب تیار کر رکھا ہے!

سورۃ الکہف کا آغاز ان مبارک الفاظ سے ہوا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ	شکر کا سزاوار ہے وہ اللہ جس نے اپنے
الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ہ	بندے پر کتاب اُتاری ۔ اور اُس میں

قِيِّمًا لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ۝

(سورۃ الکہف : ۱-۲)

اس نے کوئی کج پیچ نہیں رکھا، بالکل ہموار اور استوار تاکہ وہ اپنی جانب سے جھٹلانے والوں کو ایک سخت عذاب سے آگاہ کر دے اور ایمان لانے والوں کو جو نیک اعمال کر رہے ہیں اس بات کی خوشخبری سنا دے کہ اُن کے لیے بہت اچھا اجر ہے!

اور سورۂ مریم کے اختتام پر فرمایا:

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ۝

(سورۃ مریم : ۹۷)

پس ہم نے اس کتاب کو تمہاری زبان میں اس لیے سہل و سازگار بنایا کہ تم اس کے ذریعے خدا ترسوں کو بشارت پہنچا دو اور جھگڑالو قوم کو آگاہی سنا دو۔

سورۃ الانعام میں فرمایا:

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ۝

(سورۃ الانعام : ۱۹)

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعے سے تمہیں بھی خبردار کر دوں اور اُن کو بھی جن تک یہ پہنچ جائے

۲۔ فرائضِ نبوت کے ضمن میں قرآنِ حکیم کی دوسری اہم اصطلاح 'تذکیر' ہے۔ اس ضمن میں اس سے قطع نظر کہ قرآن خود اپنے آپ کو جابجا الذِّکر، ذِکرٰی اور تذکرہ قرار دیتا ہے۔ سورۂ قٓ کے آخر میں یہ صریح حکم بھی دے دیا گیا کہ:

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ۝ یعنی تذکیر کرو بذریعہ قرآنِ حکیم۔

۳۔ اسی طرح فرائضِ رسالت کے ذیل میں قرآنِ حکیم کی ایک اہم اصطلاح 'تبلیغ' ہے چنانچہ اس کے ضمن میں بھی اللہ تعالیٰ نے تو اپنے نبیؐ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: "بَلِّغْ مَا

اُنزِلَ اِلَیکَ مِن رَّبِّکَ ط[1] (پہنچادو جو کچھ نازل کیا گیا تم پر تمہارے رب کی جانب سے) اور آنحضورؐ نے اُمت کو حکم دیا کہ: "بَلِّغُوا عَنِّی وَلَو اٰیَۃً ط"[2] (پہنچادو میری جانب سے خواہ قرآن کی ایک ہی آیت ہو!) گویا تبلیغ کا اصل موضوع قرآن مجید اور اُس کی آیاتِ بیّنات کے سوا اور کچھ نہیں!!

۴۔ غالباً اس سلسلے کی سب سے جامع اصطلاح 'دعوت' ہے جس کے ضمن میں سورۃ النحل میں یہ جامع و مانع ہدایت دی گئی کہ:

اُدعُ اِلٰی سَبِیلِ رَبِّکَ بِالحِکمَۃِ	بلاؤ اپنے ربّ کے راستے کی طرف
وَالمَوعِظَۃِ الحَسَنَۃِ وَجَادِلھُم	حکمت کے ساتھ اور موعظہ حسنہ سے
بِالَّتِی ھِیَ اَحسَنُ ط	اور بحث و جدال کرو اِس طور سے
(سورۃ النحل: ۱۲۵)	جو نہایت عمدہ ہو۔

اب غور فرمائیے کہ جیسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے حکمت بھی قرآنِ حکیم ہی کا ایک جزوِ لاینفک ہے اور موعظہ حسنہ کا مصداقِ کامل بھی خود قرآنِ مجید ہی ہے اور خواہ ملحدین ہوں یا مشرکین، یہود ہوں یا نصارٰی، منکرینِ قیامت ہوں یا مکذّبینِ رسالت، کافر ہوں یا منافق اِن سب کے ساتھ مفصّل مباحثہ و مجادلہ بھی قرآن میں موجود ہے۔ گویا دعوت اِلَی اللہ یا دعوت اِلٰی سبیلِ ربّ کا اصل مبنٰی و مدار خود قرآنِ حکیم ہے۔

الغرض یہ تفصیل و تشریح ہوئی 'تلاوتِ آیات' کی کہ انذار ہو یا تبشیر، تبلیغ ہو یا تذکیر اور مباحثہ ہو یا مجادلہ، 'دعوتِ نبویؐ' کا مرکز و محور ہیں آیاتِ قرآنی۔

تزکیہ

اب آئیے عملِ تزکیہ کی جانب جس کے ضمن میں افسوس ہے کہ قرآن کی ناقدری کا معاملہ اُمّتِ مُسلمہ نے آخری حدوں تک پہنچا دیا۔ ظاہر ہے کہ انسانی شخصیت مجموعہ ہے فکر و عمل کا اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں بایں معنٰی کہ "گندم از گندم بروید، جو ز جو" کے

---

[1] سورۃ المائدہ: ۶۷ [2] بخاریؒ عن عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

مصداق غلط فکر، غلط عمل ہی کو جنم دے سکتا ہے۔ اور صحیح عمل کے لیے تصحیح فکر لازمی ولابدی ہے گویا اگر کسی انسان کے فکر کی تطہیر ہو جائے اور فاسد خیالات اور غلط افکار و نظریات کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ دیا جائے تو غیر صالح اعمال اور ناقص عادات و اطوار آپ سے آپ پت جھڑ کے پتّوں کی طرح جھڑتے چلے جائیں گے، اور اگر صحیح فکر کی جڑیں ذہنِ انسانی میں راسخ ہو جائیں تو اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کے برگ و بار بلا تکلّف از خود نمایاں ہو جائیں گے۔ اسی عمل (PHENOMENON) کو قرآن حکیم "وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ"[1] بھی قرار دیتا ہے اور "يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ"[2] بھی۔ اور یہی قرآن حکیم کا اصل فلسفۂ تزکیہ ہے یعنی یہ کہ تزکیۂ نفس کے لیے اضافی اور مصنوعی تدابیر نہ ضروری ہیں نہ مفید مطلب۔ بلکہ تزکیۂ عمل لازمی نتیجہ ہے تطہیرِ فکر کا اور وہ فطری ثمرہ ہے تلاوتِ آیات کا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات ابراہیم و اسمٰعیل علیٰ نبیّنا و علیہما الصّلوٰۃ والسّلام نے تو اصطلاحاتِ اربعہ میں تزکیہ کا ذکر آخر میں کیا تھا لیکن قرآنِ مجید میں بقیہ تینوں مقامات پر اس کا ذکر تلاوتِ آیات کے فوراً و معاً بعد ہوا ہے!

تزکیۂ نفس کے ضمن میں ایک دوسری حقیقت بلاشبہ یہ بھی ہے کہ انسانی شخصیّت میں فکر اور عمل کے مابین ایک اور عنصر جذبات کا بھی ہے اور ویسے تو ان کی اہمیّت ہر انسان کی زندگی میں مسلّم ہے لیکن خصوصاً وہ لوگ جن کا شعور پختہ نہیں ہوتا یا جو عقلاً بالغ نہیں ہوتے اُن کی زندگیوں میں تو فیصلہ کُن اہمیّت اِن ہی کو حاصل ہو جاتی ہے۔ یہی سبب ہے اِس کا کہ قرآن دعوت کی اساس صرف حکمت ہی پر نہیں رکھتا موعظت پر بھی رکھتا ہے اور اپنے آپ کو موعظۂ حسنہ بھی قرار دیتا ہے اور "شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ" بھی! — اس پس منظر

---

[1] سورۃ الفتح: ۵ "تاکہ دُور کردے اُن سے اُن کی برائیاں"!

[2] سورۃ الفرقان: ۷۰ "تبدیل کردے گا اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے"!

میں دیکھیے کہ کس قدر افسوس ناک ہے وہ صورتِ حال جس کا نقشہ علامہ اقبال نے ان اشعار میں کھینچا ہے کہ :۔ ع

صوفیِ پشمینہ پوشِ حال مست   از شرابِ نغمۂ قوّال مست!
آتش از شعرِ عراقی در دلش   در نمی سازد بقرآں محفلش![1]

حالانکہ اگر جذبات کی جِلا اور سوز و گداز و کیف و سُرُور کی کیفیّات مطلوب ہوں تو اُن کا بھی سب سے بڑا منبع و سرچشمہ خود قرآن مجید ہی ہے۔ مولانا شبیّر احمد عثمانیؒ نے اپنے حواشیِ ترجمۂ قرآن میں اپنے والدِ مرحوم کے یہ حد درجہ سادہ مگر پُرتاثیر اشعار نقل کیے ہیں : ع

سُنتے سُنتے نغمہ ہائے محفلِ بدعات کو   کان بہرے ہوگئے دل بے مزہ ہونے کو ہے
آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمۂ مشروع بھی   پارہ جس کے لحن سے طورِ ہدیٰ ہونے کو ہے
حیف گر تاثیر اُس کی تیرے دل پر کچھ نہ ہو   کوہ جس سے خاشعاً متصدعاً ہونے کو ہے

اس ضمن میں ذرا غور فرمایئے اور داد دیجئے اس پر کہ نفسِ امّارہ کی طوفاں خیزیوں، اور ابلیسِ لعین کی وسوسہ اندازیوں سے بچنے کے لیے کس قدر صحیح مشورہ دیا ہے علامہ اقبال مرحوم نے کہ:

ع   کشتنِ ابلیس کارے مشکل است   زانکہ اُو گُم اندر اعماقِ دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کُنی   کُشتۂ شمشیرِ قرآنش کُنی[2]

تعلیمِ کتاب آنحضورؐ کے طریقِ انقلاب میں تلاوتِ آیات اور تزکیۂ نفوس کے بعد نمبر آتا ہے 'تعلیمِ کتاب' کا جو اصلاً عبارت ہے شریعتِ اسلامی کے

---

[1] اُونی لباس میں ملبوس اور اپنے حال میں مست صوفی قوّال کے نغمے کی شراب ہی سے مدہوش ہے۔
اس کے دل میں عراقی کے کسی شعر سے تو آگ سی لگ جاتی ہے لیکن اس کی محفل میں قرآن کا کہیں گذر نہیں!

[2] شیطان کو بالکل ہلاک کر دینا ایک نہایت مشکل کام ہے، اس لیے کہ اس کا بسیرا نفسِ انسانی کی گہرائیوں میں ہے!
بہتر صورت یہ ہے کہ اسے قرآن حکیم کی (حکمت و ہدایت) کی شمشیر سے گھائل کر کے مسلمان بنا لیا جائے!

اوامر و نواہی کی تعلیم اور احکامِ الٰہیہ کی تنفیذ سے۔ اس لیے کہ قرآنِ حکیم میں لفظِ کتاب کا اطلاق بالعموم شریعت کے قواعد و ضوابط پر ہوا ہے جیسے: "اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا"[1] میں یا: "وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَۃَ النِّکَاحِ حَتّٰی یَبْلُغَ الْکِتٰبُ اَجَلَہٗ"[2] میں اسی طرح قرآن مجید میں کسی شے کی فرضیت و مشروعیت کے لیے بھی "کُتِبَ" کا لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے جیسے: "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ"[3] ——— "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ"[4] ——— "کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا الْوَصِیَّۃُ"[5] "رَبَّنَا لِمَ کَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ"[6] "وَلَوْ اَنَّا کَتَبْنَا عَلَیْھِمْ اَنِ اقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ"[7]

واضح رہنا چاہیئے کہ تلاوتِ آیات اور تزکیے کے مراحل طے ہو جانے کے بعد ہی انسانی شخصیت کی زمین پورے طور پر تیار ہوتی ہے کہ اس میں شریعت کے اوامر و نواہی اور احکامِ الٰہی کے بیج بوئے جائیں اور وہ برّ و تقویٰ کی ایک لہلہاتی ہوئی کھیتی کی صورت اختیار کرلے بصورتِ دیگر فصل کا حصول درکنار بیج بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ یہی سبب ہے اس کا کہ قرآن مجید کا 'کتاب' والا حصہ یعنی اس کی وہ آیات و سور جن میں حلال و حرام کے تفصیلی احکام بیان ہوئے ہیں، اس وقت نازل ہوا جب پورے پندرہ سال کی محنتِ شاقہ کے نتیجے میں'

---

[1] سورۃ النساء: ۱۰۳ "بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقرر وقتوں میں۔"

[2] سورۃ البقرۃ: ۲۳۵ "اور نہ ارادہ کرو نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جائے عدّتِ مقررہ اپنی انتہا کو۔"

[3] سورۃ البقرۃ: ۱۸۳ "فرض کیا گیا تم پر روزہ۔"

[4] سورۃ البقرۃ: ۲۱۶ "فرض کی گئی تم پر لڑائی۔"

[5] سورۃ البقرۃ: ۱۸۰ "فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت، بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا۔"

[6] سورۃ النساء: ۷۷ "اور کہنے لگے اے ربّ ہمارے، کیوں فرض کی تو نے ہم پر لڑائی۔"

[7] سورۃ النساء: ۶۶ "اور اگر ہم اُن پر حکم کرتے کہ ہلاک کرو اپنی جان۔"

جس میں تمام تر توجہات تلاوتِ آیات اور تزکیے پر مرتکز رہی تھیں، ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا جو ان احکام کو قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں بے تاب تھا! اس کی سب سے نمایاں اور درخشاں مثال حرمتِ شراب کے معاملے میں ملتی ہے کہ اُدھر حکم نازل ہوا اِدھر شراب کے برتن توڑ ڈالے گئے اور پھر اُن لوگوں نے کبھی شراب کا خیال تک دل میں نہ آنے دیا جن کی گھٹی میں شراب پڑی ہوئی تھی اور پوری پوری عمریں پینے اور پلانے میں گذری تھیں۔ اور اس کے بالکل برعکس معاملہ ہوا اِس دَور میں امریکہ ایسے تعلیم یافتہ اور مہذب و متمدن ملک میں جہاں PROHIBITION ACT کی دھجیاں بکھر کر رہ گئیں اور ع "چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی" کے آگے تمام سائنسی حقائق اور اعداد و شمار دھرے کے دھرے رہ گئے!

تعلیمِ حکمت

انقلابِ نبوی ؐ کے اساسی منہاج کا نقطۂ عروج CLIMAX ہے 'تعلیمِ حکمت' ۔۔۔ حکمت اصلاً عبارت ہے انسانی عقل اور شعور کی پختگی کی اُس سطح سے جہاں پہنچ کر احکامِ شریعت کے اسرار و رموز واضح ہو جاتے ہیں اور اُن کی حکیمانہ غرض و غایت منکشف ہو جاتی ہے۔ گویا احکام بے جان اور زبردستی کے ساتھ ٹھونسے ہوئے اوامر و نواہی نہیں رہتے بلکہ فکر و عمل کے ایک حد درجہ حکیمانہ نظام کے ایسے باہم دگر منظّم و مربوط اجزاء کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جن میں نہایت حسین توازن و توافق موجود ہو۔ یاد ہو گا، یہی اصل موضوع ہے نابغۂ دَورِ حاضر امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ کی شہرۂ آفاق تالیف "حُجَّةُ اللهِ الْبَالِغَة" کا اور یہی ہے وہ جنسِ کمیاب جسے قرآن حکیم 'خیرِ کثیر' قرار دیتا ہے بفحوائے آیتِ قرآنی: "يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ"[1] (اور یہ بات بھی محض اتفاقی نہیں کہ 'خیرِ کثیر' بھی نام ہے حضرت شاہ صاحب کی ایک حد درجہ پُراز حکمت تصنیف کا!) گویا حکمت کی تحصیل ہر انسان کے بس کا

---

[1] سورۃ البقرۃ: آیت ۲۶۹

روگ نہیں بلکہ یہ تعلیم و تربیت نبوی کا وہ درجۂ تخصص ہے جس سے فیض یاب صرف وہی ہو سکتے ہیں جن کے نفوس میں علم کی ایک پیاس فطری طور پر موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کے لیے ظواہر پر اکتفا ناممکن ہو جاتا ہے اور وہ حقائق باطنی کی تحقیق و تفتیش پر اسی طرح مجبور و مضطر ہو جاتے ہیں جس طرح بھوکا تحصیل غذا پر اور پیاسا تلاش آب پر ——— وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں!

اس ضمن میں بھی اس خیال سے کہ حکمت سے لازماً قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز مراد ہے قرآنِ حکیم کے ساتھ ایک نادانستہ اور غیر شعوری سوءِظن کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حکمت تو قرآن کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے' اس لیے بھی کہ اس کی ایک مستقل صفت ہی "حکیم" ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اس کی شان یہ ہے کہ کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ[1] مزید برآں جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ قرآن میں صراحۃً بھی مذکور ہے کہ: "ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ" اور اس سلسلے میں بھی حظ اٹھائیے اور وجد میں آیئے علامہ اقبال کے ان اشعار پر

اے کہ می نازی بہ قرآن حکیم!   تا کجا در حجرہ با باشی مقیم
درجہاں اسرار دیں را فاش کن   نکتۂ شرع مبیں را فاش کن

افسوس ہے کہ ہمارے ارباب علم و فضل نے بہت کم توجہ دی قرآن حکیم کی ان اصطلاحات اربعہ پر جو قرآن مجید میں ایک نہ دو پورے چار مرتبہ دہرائی گئیں' حالانکہ بلا سبب تکرار بظاہر کلام کا عیب شمار ہوتا ہے اور نہ قرآن عظیم کے مُنزل و مُرسل تبارک و تعالیٰ کے پاس ذخیرۂ الفاظ کی کمی تھی نہ عربی زبان کا دامن ہی اتنا تنگ تھا کہ ہر بار مختلف الفاظ نہ لائے جا سکتے۔ اس اعادہ و تکرار کا سبب ظاہر ہے کہ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اگرچہ ویسے تو قرآن مجید

---

[1] سورۂ ہود: آیت ۱

کا ہر بر لفظ غالبؔ کے اس شعر کا مصداق کامل و اتمّ ہے کہ : ع

گنجینۂ معنی کا طلسم اُس کو سمجھیو — جو لفظ کہ غالبؔ مرے اشعار میں آوے!

لیکن ان اصطلاحات اربعہ کی حیثیت تو بالخصوص ایسی ہے کہ ان پر توجہات کو بالکل ع " زیر بر لفظ غالب چیدہ ام میخانۂ ! کے مصداق مرتکز کر دیا جائے۔

الغرض! انقلابِ نبویؐ کے تکمیلی مراحل تو وہی ہیں جو ہر انقلاب میں پائے جانے لازمی ہیں یعنی دعوت و تنظیم، تصادم و کش مکش، ہجرت و انقطاع اور جہاد و قتال۔ لیکن اس کا اساسی منہاج مشتمل ہے تلاوتِ آیات، تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت پر، جس کا مرکز و محور ہے قرآنِ حکیم!

اِنفرادی تبدیلی

اگر آپ کسی ایک فرد کی زندگی میں بھی یہ 'انقلاب' لانا چاہیں تو اس کے لیے ناگزیر ہے کہ پہلے آپ اس کے فکر کا جائزہ لیں اور تلاوتِ آیات کے ذریعے اس کے ذہن کو فاسد خیالات اور غلط نظریات سے اور اس کے قلب کو فاسد ارادوں اور غلط امنگوں اور خواہشات سے پاک کریں۔ اس کے فکر کی ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالرسالت کی محکم اساسات پر از سرِ نو تعمیر کریں اور اس کے قلب کو نورِ ایمان سے منور کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ غیر صالح اعمال اور غلط عادات و اطوار پت جھڑ کے پتوں کی طرح خود بخود جھڑ جائیں گے۔ اور تب موزوں وقت آئے گا اس کا کہ شریعت کے اوامر و نواہی کی تلقین اسے کی جائے۔ گویا اس کے وجود پر شریعت کا نفاذ عمل میں آجائے۔ پھر اگر وہ صاحبِ استعداد ہو تو ایک قدم اور آگے بڑھ کر حکمت کی تحصیل کرے جس سے اصل انشراحِ صدر اور اطمینانِ قلب بھی حاصل ہو جائے گا ——— اور اس کی شخصیت میں اِس انقلاب کو تمکّن و استقلال بھی حاصل ہو جائے گا۔ اصل میں یہ ہے وہ محنت و مشقت جس کا ثمرہ بیان ہوا آنحضورؐ کے اس حکیمانہ قول میں جو آپ نے حضرت علیؓ سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ:

"لَانْ یَّھْدِیَ اللہُ بِکَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَیْرٌ لَّکَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ"

(اے علیؓ! اگر اللہ تمہارے ذریعے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بڑھ کر ہے!) اور اگر آپ اس ہفت خواں کو طے کرنے کے لیے تیار نہ ہوں تو آپ کی حالت وہی ہوگی جو ہمارے معاشرے میں ان بہت سے بڑے بوڑھوں کی ہوتی ہے جنہوں نے اپنی نوجوان نسل کو حوالے تو اُس نظامِ تعلیم کے کیا ہے جس کے بارے میں غلط نہیں کہا جس نے بھی کہا کہ ؎

یُوں قتل سے بچّوں کے وہ بدنام نہ ہوتا ۔۔۔ افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اور

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا ۔۔۔ کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

نتیجۃً کسی کے ذہن پر برٹرینڈرسل سوار ہے اور کسی کے سانت، کوئی فرائڈ کا شیدائی ہے اور کوئی یونگ یا ایڈلر یا مکڈوگل کا۔ کسی پر ڈارون کا جادُو چلا ہوا ہے اور کسی پر ہیگل اور مارکس کا۔ چنانچہ خدا و آخرت اور وحی و رسالت پر ایمان و یقین کے آثار کا کوسوں پتہ نہیں لیکن تلقین ہو رہی ہے نماز اور روزے کی اور فرمائش و فہمائش ہو رہی ہے شعائرِ دینی کے احترام کے بارے میں! نتیجہ اِس کے سوا اور کیا نکل سکتا ہے کہ نوجوان اگر نسبتاً شریف اور سعادتمند ہے تو نگاہیں نیچی کر لے اور آپ کی موجودگی میں احتراماً آپ کی خواہش بھی پوری کر دے لیکن اگر ذرا بیباک اور جری ہو تو صاف کہہ دے کہ "چھوڑیئے ابّا جان! یہ سب ڈھکوسلے ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے!"

اجتماعی انقلاب

اس معاملے میں انسانی معاشرہ یا انسانی ہیئتِ اجتماعیہ کا طرزِ عمل (BEHAVIOUR) بھی بالکل ایک فردِ واحد کے مانند ہوتا ہے۔ ہر معاشرے میں قوم کا ایک طبقہ وہ ہوتا ہے جسے بالعموم ذہین اقلیّت یعنی INTELLECTUAL MINORITY یا INTELLIGENTSIA یا BRAIN TRUST قرار دیا جاتا ہے اور جس کی حیثیّت جسدِ اجتماعی میں بالکل وہی ہوتی